

سفارش (احمد ندیم قاسمی)

07

مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

| الفاظ | مفہوم |
|-------------------|---|
| تانگا | دو پہیوں والی گھوڑا گاڑی۔ |
| کوچوان | تانگا چلانے والا |
| مصری شاہ | لاہور کے ایک محلہ کا نام |
| گڈا | پتلا، بت |
| پوست کے ڈوڈے | خشخاش کے خول |
| زن سے گزر گیا | تیزی سے گزر گیا۔ |
| چھپر | گھاس پھوس کا سائبان |
| پینائی کا بھورا | پینائی کی رمت |
| گھٹنا پا جا مے سے | پھٹے پا جا مے سے غربت ظاہر ہو رہی ہو۔ |
| جھانک رہا ہو | |
| گل ہو گئے | ختم ہو گئے، خرچ ہو گئے۔ |
| ہلدی ہونا | بہت زرد ہونا |
| لقمان حکیم | مشہور، دانا اور طبیب جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ |
| پس پڑنا | کہرام مچنا، ماتم کرنا |
| طب | حکمت، جڑی بوٹیوں سے علاج |
| آنکھ کا دیا بجھنا | آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت کا ختم ہونا |

خلاصہ:

(بورڈ 2007-2008-2009-2010-2011, 16, 22)

~~محمد منیر شاعر اور افسانہ نگار تھے۔ افسانہ سہاروش میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی ہے کہ ہم وہ کرتے ہیں~~

~~جو کہتے ہیں۔ مسکے نے کوچوان کی سہاروش کا کہنا ضرور لیکن عملاً کچھ نہیں کیا۔~~

محلے کی گلی کے موڑ پر میں تانگے کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک فیرکا کوچوان نظر آیا۔ اس روز اس نے تانگا نہیں جوڑا تھا اور وہ کچھ پریشان اور تھکا تھکا سا دکھائی دے رہا تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اس کے باپ کی بینائی چلی گئی ہے۔ فیکے نے بتایا کہ اس کے باپ کی آنکھ ہر وقت لال لال رہتی تھی اور اس میں سے پانی بھی بہتا تھا اس تکلیف سے نجات کے لیے اس کے باپ نے مصری شاہ میں سڑک کنارے ایک سرمہ فروش سے خریدا ہوا سرمہ آنکھوں میں لگایا جس سے بجائے آرام ہونے کے وہ سخت تکلیف میں ہے۔ ساری رات تکلیف کے باعث جاگ کر گزاری۔ کئی ٹونے ٹونے کیے لیکن جب بابا نے آنکھ کھولی تو کہنے لگا کہ بینائی ختم ہو گئی ہے۔ ہم اسے میوہسپتال لے گئے جہاں ایک چوکیدار کے کہنے سے برآمدے میں جگہ تول گئی ہے لیکن ڈاکٹر توجہ نہیں دیتے۔ آپ میرے ساتھ چل کر کسی ڈاکٹر سے سفارش کر دیجیے۔ میں نے اسے اپنے ایک واقف ڈاکٹر عبدالجبار کا نام بتا کر ہدایت کی کہ ان سے جا کر ملو۔ میں اس وقت ایک دعوت میں جا رہا تھا، سو چاکل میں خود ڈاکٹر سے کہ دوں گا۔ رات واپسی پر معلوم ہوا کہ فیرکا آیا تھا۔ وہ صبح پھر آیا اور بتایا کہ جبار صاحب کی ڈیوٹی کل نہیں تھی اور اس کا باپ دسمبر کی سردی میں ہسپتال کے برآمدے ہی میں پڑا ہے۔ محض اس امید پر کہ شاید اس کے باپ کی آنکھ میں کچھ بینائی باقی ہو۔ فیرکا مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر میں نے اسے کارڈ دے کر کہا کہ یہ کارڈ ڈاکٹر جبار کو دکھا دینا، کام ہو جائے گا۔ کارڈ پر میں نے لکھ دیا تھا کہ غریب آدمی ہے، اس کا کام کر دیجیے، دعائیں دے گا۔ شام واپسی پر فیکے نے بتایا کہ میرا پھٹا پراٹا لباس دیکھ کر کسی نے مجھے ڈاکٹر جبار سے نہیں ملنے دیا۔ میں نے اس سے دوسرے روز ساتھ چلنے کا وعدہ کیا لیکن مجھے شیخوپورہ جانا پڑ گیا۔ چند روز بعد اچانک فیکے سے سامنا ہو گیا تو میں نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ میں نے جبار صاحب کو فون کر دیا تھا، وہ بہت ممنون ہوا۔ دوسرے روز وہ پھر آیا اور اس نے بتایا کہ اس کے باپ کو کوٹ لکھپت ہسپتال بھیج دیا گیا ہے اور آنے جانے میں بڑی وقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، آپ جبار صاحب کو فون کر دیجیے۔ میں نے فون کیا مگر جبار صاحب نہ ملے۔ پانچ چھ روز بعد فیرکا ملا تو میرے احسانات کا تذکرہ کرنے لگا۔ لیکن اپنے باپ کے بارے میں یہ افسوس ناک اطلاع دی کہ اس کا آپریشن ہو گیا ہے مگر پٹی کھلی تو معلوم ہوا کہ اس آنکھ کی بینائی تو گئی ہی تھی، دوسری آنکھ بھی متاثر ہو گئی ہے۔ اب دونوں کا آپریشن ہوگا۔ وہ پریشان تھا میں نے ڈاکٹر جبار کو فون کیا مگر بد قسمتی سے وہ اس بار بھی نہ مل سکے۔ میں نے وعدہ کیا کہ خود ڈاکٹر جبار سے جا کر ملوں گا، لیکن عملاً ایسا نہ ہو سکا اور ٹیلی فون پر بھی ان سے بات نہ ہو سکی۔ دواڑھائی ہفتے گزر گئے۔ ایک صبح فیرکا گھر آیا، میں اس کا سامنا کرنے سے جھجک رہا تھا۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ فیکے کے سامنے اس طرح بات کروں کہ اسے حقیقت بھی معلوم ہو جائے اور اسے دکھ بھی نہ پہنچے لیکن قبل اس کے کہ میں کوئی اعتراف کرتا، فیکے نے بتایا کہ اس کے باپ کی بینائی لوٹ آئی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا، بابو جی! آپ نے مجھے خریدا لیا ہے۔ میں عمر بھر آپ کا نوکر رہوں گا۔ میں نے لمبی سانس لے کر کہا۔ ”کوئی بات نہیں فیکے۔ کوئی بات نہیں۔“

(کپاس کا پھول)

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: فیکے کی آنکھوں میں ممنونیت کی نمی جاگی۔ وہ بولا: ”بس بابو جی خدا آپ کا بھلا کرے۔ رات تو چیخ چاخ کے گزار دی۔ پھر صبح کو محلے کے سارے کوچوان اکٹھے ہوئے تو ان میں سے چچا شیدے نے کہا کہ پوست کے ڈوڈے پانی میں ابالو اور اسی پانی سے آنکھ دھوؤ۔ دھوئی پر بابا اسی طرح تڑپتا رہا۔ پھر کسی نے کہا کہ پالک کا ساگ ابال کر باندھو، باندھا اور جب کھولا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ اب کیا جتن کرتے ہو آنکھ کا دیا تو بجھ گیا۔ ہمارے گھر میں تو پٹس پڑ گئی بابو جی۔ اُسے ایک ہسپتال میں لے گئے، پھر دوسرے میں لے گئے۔ دونوں میں جگہ نہ تھی۔ دوپہر کو راج گڑھ کے ایک کوچوان نے بتایا کہ اس کا سالامیو ہسپتال میں چوکی دار ہے۔ اُس کی سفارش سے جگہ تو مل گئی پر براڈے میں۔ وہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ پر بابو جی شام ہونے کو آئی ہے اور ابھی تک کوئی ڈاکٹر تو کیا کوئی نرس بھی ادھر نہیں آئی۔

حوالہ متن:- سبق کا عنوان: سفارش
مصنف کا نام: احمد ندیم قاسمی

سیاق و سباق:

گلی کے موڑ پر فیکے کوچوان نے بابو جی کو بتایا کہ فٹ پاتھ پر سرمہ بیچنے والے حکیم کا سرمہ استعمال کرنے سے اُس کے والد کی آنکھ ضائع ہو گئی ہے۔ وہ ایک چوکیدار کی سفارش سے میوہسپتال کے برآمدے میں پڑا تو ہے لیکن اُسے دیکھنے کوئی ڈاکٹر نہیں آیا۔ بابو جی نے ڈاکٹر عبدالجبار سے ملنے کا مشورہ دیا مگر وہ اُسے نہ مل سکے۔ اس کے والد کو جب کوٹ لکھپت ہسپتال منتقل کیا گیا تو اُس نے بابو جی کی سفارش چاہی مگر کوشش کے باوجود اُن کا ڈاکٹر صاحب سے رابطہ نہ ہو سکا۔ فیکا بار بار گھر کے چکر لگاتا رہا مگر بابو جی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپریشن کے بعد فیکا بابو جی کا شکریہ ادا کرنے آیا کہ اُن کی سفارش سے اُس کے والد کی آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ بابو جی نے اُس کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا مگر پھر بھی اُس کا شکریہ قبول کر لیا۔

تشریح: احمد ندیم قاسمی مشہور شاعر اور افسانہ نگار تھے۔ افسانہ سفارش میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی ہے کہ ہم وہ کرتے نہیں جو کہتے ہیں۔ مصنف نے کوچوان کی سفارش کا کہا ضرور لیکن عملاً کچھ نہیں کیا۔

زیر تشریح نثر پارے میں مصنف نے اپنے انداز سفارش اور فیکے کوچوان کی مجبوری کو موضوع بنایا ہے۔ انسان گروہی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اس کی ضروریات کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ تنہا رہ کر انھیں پورا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں سے اس کا واسطہ ہو جو مشکل میں اس کے کام آسکیں۔ فیکا کوچوان ایک غریب آدمی ہے جسے معاشرے میں کوئی اہمیت حاصل نہیں جب اس کے باپ کی آنکھوں کی بینائی جاتی ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح باپ کی بینائی واپس آجائے۔ چنانچہ وہ اپنے باپ کے علاج معالجے کے لیے کوشش کرتا ہے اور اس ضمن میں بابو جی سے بھی مدد کا خواستگار ہوتا ہے اور جب بابو جی نے فیکے کی بات میں دل چسپی کا اظہار کیا اور اسے بات جاری رکھنے کو کہا تو فیکے کی آنکھیں احسان مندی اور شکر گزاری کے سبب تر ہو گئیں۔ وہ کہنے لگا بابو جی اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے، ابانے رات چیخ پکار میں بسر کی، جیسے ہی دن نکلا، علاقے کے تمام کوچوان اکٹھے ہو گئے اور علاج کے بارے میں مشورہ دینے لگے۔ چچا شیدے نے مشورہ دیا کہ پوست کے ڈوڈے پانی میں ابال کر آنکھ دھوئی جائے۔ لیکن آنکھ دھونے کے باوجود بابا بے قرار ہے۔ ایک اور آدمی نے تجویز دی کہ پالک کے ساگ کو پانی میں ابال کر آنکھ پر باندھ دو۔ اس تجویز پر بھی عمل کیا گیا۔ مگر جب ساگ کھولا گیا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ میری آنکھ کی بینائی تو ختم ہو گئی ہے۔ جیسے ہی ابانے نے یہ بات بتائی تو ہم روئے پٹنے لگے۔

ہمارے معاشرے کی بد قسمتی یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق میسر نہیں ہیں۔ علاج معالجے کی سہولت فراہم کرنا ریاست کی ذمہ

داری ہوتی ہے لیکن ہمارے یہاں لوگوں کی اکثریت اس سہولت سے محروم ہے اور وسائل کی کمی کی وجہ سے لوگ ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے بیمار ہونے پر ٹونے ٹونے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جن سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ فیکے کوچوان کے والد کی بینائی گئی تو آغاز میں ٹونکوں ہی کا سہارا لیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فیکے کے والد کی بینائی بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔

فیکے نے بتایا ہے کہ بابا کو علاج کے لیے ایک دو ہسپتالوں میں لے کر گئے مگر مریضوں کے رش کی وجہ سے جگہ نہیں ملی۔ بابو جی! راج گڑھ میں ایک کوچوان رہتا ہے، اس کی بیوی کا بھائی میو ہسپتال میں چوکیدار ہے۔ اس سے سفارش کروائی، دوپہر کو برآمدے میں جگہ مل گئی مگر بابو جی شام ہونے کو ہے نہ تو کوئی ڈاکٹر آیا اور نہ ہی کوئی نرس ابھی تک بابا کو دیکھنے آئی ہے۔ یہ کہنے کے بعد فیکے نے بابو جی کو ”صاحب لوگ“ کہہ کر التجا کرنا شروع کر دی اور درخواست کی کہ بابو صاحب اس کے ساتھ جائیں اور کسی ڈاکٹر سے سفارش کریں کہ وہ صدیقے مریض کو ذرا توجہ سے دیکھ کر اس کا علاج کرے۔

ایسا معاشرہ جہاں پر لوگ طبقات میں بٹے ہوئے ہوں، جہاں حق دار کو اس کا حق نہ مل رہا ہو وہاں پر اپنا حق لینے کے لیے بھی سفارش کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ معاشرہ لوگوں کو انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہے۔ احمد ندیم قاسمی اس افسانے میں اسی سماجی حقیقت کی طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔

اقتباس: ”میرے جسم میں نیندا بھی تک پوری طرح غائب نہیں ہوئی تھی۔ پھر نہانا تھا۔ شیو کرنا تھا۔ چائے پینی تھی۔ میں نے کہا ”میں تمہیں اپنا کارڈ دیے دیتا ہوں۔ وہ ڈاکٹر جبار کو دکھا دو۔ بڑے یار آدمی ہیں۔ فٹافٹ کام کر دیں گے۔ تمہارا بابا ایک بار وارڈ میں چلا جائے، پھر علاج کے لیے تو میں خود جا کر کہوں گا۔“

حوالہ متن:- سبق کا عنوان: سفارش

مصنف کا نام: احمد ندیم قاسمی

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: احمد ندیم قاسمی مشہور شاعر اور افسانہ نگار تھے۔ افسانہ سفارش میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی ہے کہ ہم وہ کرتے نہیں جو کہتے ہیں۔ مصنف نے کوچوان کی سفارش کا کہا ضرور لیکن عملاً کچھ نہیں کیا۔

زیر تشریح نثر پارے میں مصنف نے اپنے اندازِ سفارش اور فیکے کوچوان کی مجبوری کو موضوع بنایا ہے۔ انسانی رویہ اس کے مزاج کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی ترجیحات اور رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرے لیکن افسانے میں موجود بابو صاحب کہتے ہیں ابھی مجھ پر نیند کا اثر غالب تھا۔ بدن سست تھا، میں پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔ مجھے غسل کرنا تھا، چائے پینی تھی گویا میرے ذاتی کام میرے لیے زیادہ اہم تھے۔ میں نے فیکے کو ٹالتے ہوئے کہا کہ میں تمہیں اپنا کارڈ دے دیتا ہوں، وہ کارڈ ڈاکٹر جبار کو دکھا دینا، وہ میرے دوست ہیں۔ جیسے ہی میرے نام کا کارڈ دیکھیں گے فوراً کام کر دیں گے۔ تمہارا بابا ایک بار برآمدے سے مریضوں کے کمرے میں چلا جائے پھر میں خود ہسپتال جاؤں گا اور ڈاکٹر سے ملاقات کر کے علاج کے لیے کہوں گا۔ غریب فیر کا اتنے میں خوش ہو گیا۔ میرے کارڈ کو ہاتھ میں حفاظت سے پکڑا اور چلا گیا، ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ میں دنیا جہان کی دولت ہے۔ ضرورت مند انسان کے لیے بعض اوقات جھوٹی تسلی بھی بہت ہوتی ہے۔ کارڈ لے کر فیر کا کوچوان بھی سمجھا کہ اس کا کام ہو جائے گا۔ حالاں کہ یہ محض اس کی خوش گمانی تھی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ احمد ندیم قاسمی اس مرحلے پر جہاں ایک مجبور آدمی کی نفسیاتی کیفیت کو پیش کرتے ہیں۔ وہاں زمینی حقائق سے بھی ہمیں دوچار کرتے ہیں۔ علاج معالجے کی سہولت ہر شہری کا بنیادی حق ہے جو ہمارے معاشرے میں لوگوں کو میسر نہیں

ہے۔ بہر حال بابو صاحب نے صرف اتنا ہی لکھا تھا کہ یہ لاچار، بے بس اور بڑا مفلس آدمی ہے۔ آپ اس کا کام کر دیں یہ دعائیں دے گا۔ مجھے یقین تھا کہ کام آسانی سے ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ڈاکٹروں کو تو صرف اتنا ہی دیکھنا تھا کہ آنکھ کی روشنی چلی گئی ہے یا تھوڑی روشنی باقی ہے۔ اور یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں کہ جسے ڈاکٹر کرنے میں پس و پیش سے کام لے۔ ایک ایسا کام جو ڈاکٹر کے فرائض میں شامل ہے اس کام کے کرانے کے لیے بھی سفارش کی ضرورت پڑ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے اس شعبہ میں بھی جس کا مقصد ہی انسانیت کی خدمت ہے، لوگ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے رہے۔ عام طور پر صحت کے شعبے سے وابستہ افراد کے بارے میں یہی تاثر ہے کہ ان کے دل میں دکھی انسانیت کے لیے بڑا درد ہوتا ہے۔ اگر وہاں بھی سفارش کی ضرورت پڑ جائے تو پھر معاشرے کی حالت واقعی قابل رحم قرار پائے گی۔ ہماری روایتی سستی، بے پروائی اور اپنے آپ میں مگن ہونا معاشرے کے دیگر افراد کے حقوق سے غافل کر دیتا ہے۔ انسانی اقدار کا تقاضا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد میں سستی اور تساہل سے کام نہ لیا جائے بلکہ بڑھ چڑھ کر، آگے بڑھ کر ضرورت مندوں کی مدد کرنی چاہیے۔ بابو ایک انسان دوست آدمی تو تھا مگر اپنی دنیا میں اتنا مگن کہ مدد کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود فیکے کی مدد نہ کر سکا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ کسی قدر کام کو آگے ٹالنے والا اور سست بھی تھا۔ نیند کے بعد کی سستی ہو کپڑے بدلنے کا بہانہ یا شیو کی ضرورت فیکے کی مدد کرنے میں آڑے آتے رہے اور وہ نیک دل آدمی اپنا فرض ادا نہ کر سکا۔ ہمارے عام معاشرتی رویے اسی طرح کے ہیں۔ ہم نیک دل بھی ہوتے ہیں خدا ترس بھی، شریف بھی ہوتے ہیں اور رحم دل بھی لیکن کبھی کبھی سستی ہمیں دوسروں کی مدد کرنے سے روک دیتی ہے۔ ہمارے اپنے چھوٹے اور معمولی کام بڑے بڑے انسانی حقوق اور غیر معمولی فرائض کی ادائی میں آڑے آتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے روزمرہ کے معاملات میں سفارش کا عمل دخل بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کی زندگی کو مشکل بنائے ہوئے ہے۔ آنکھ کے نازک ترین معاملے میں بھی سفارش کے بغیر کام کا نہ ہونا ایک بہت بڑے المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ زندگی کے حساس معاملات میں سفارش کا کچھ ایک زہریلی طرح پھیلتا جا رہا ہے اور ہم آہستہ آہستہ اس زہر کی نذر ہوتے جا رہے ہیں۔ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاشرتی اقدار سفارش نے ہمیں مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ زندگی اپنی فطری رفتار سے آگے بڑھنے کی بجائے تھم گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مستعدی اور ذمہ داری سے اپنے فرائض ادا کریں تاکہ معاشرتی زندگی کا سفر اپنی فطری رفتار سے آگے بڑھے۔

کثیر الانتخابی سوالات

- 1- احمد ندیم قاسمی پیدا ہوئے: (A) 1901ء (B) 1907ء (C) 1916ء (D) 1919ء
- 2- ”سفارش“ کے مصنف کا نام ہے: (A) احمد ندیم قاسمی (B) غلام عباس (C) شفیع عقیل (D) پریم چند (بورڈ 2022)
- 3- فیکے کے چہرے پر چھینٹا پڑ گیا: (A) بھول پن کا (B) خوشی کا (C) غم کا (D) بیماری کا
- 4- فیکے کے باپ نے سرمہ کہاں سے لیا: (A) گامے شاہ سے (B) مدہری شاہ سے (C) لوہاری سے (D) دربار سے

- 5- فیکے کے باپ نے کیا کہہ کر سرمہ آنکھ میں ڈالا:
 (A) لقمان حکیم کا بادشاہ
 (B) لقمان حکیم دولت کا بادشاہ
 (C) لقمان حکیم طاقت کا بادشاہ
 (D) لقمان حکیم بادشاہ
- 6- فیکے کے باپ نے سرمہ لیا:
 (A) حکیم سے
 (B) پھیری والے سے
 (C) ڈاکٹر سے
 (D) دکان سے
- 7- فیکے کی آنکھوں میں نمی جاگی:
 (A) ممنونیت کی
 (B) غم کی
 (C) بینائی کی
 (D) سفارش کی
- 8- پوسٹ کے ڈوڈے پانی میں اُبال کر آنکھ دھونے کا مشورہ دیا:
 (A) چچا منیر نے
 (B) چچا شید نے
 (C) چچا شید نے
 (D) چچا خورشید نے
- 9- پالک کا ساگ اُبال کر:
 (A) باندھو
 (B) دھوؤ
 (C) لگاؤ
 (D) رکھو
- 10- راج گڑھ کے کوچوان کا سالاکہاں چوکیدار تھا:
 (A) اتفاق ہسپتال
 (B) جنرل ہسپتال
 (C) میوہسپتال
 (D) گلاب دیوی ہسپتال
- 11- وہاں ایک ڈاکٹر ہے:
 (A) ڈاکٹر عبدالجبار
 (B) ڈاکٹر عبدالمنان
 (C) ڈاکٹر باسط
 (D) ڈاکٹر غفار
- 12- کچھ دور جا کر گھوڑا گرا رہا:
 (A) 10 منٹ
 (B) 15 منٹ
 (C) 20 منٹ
 (D) 25 منٹ
- 13- آنکھ کے کسی کو نے کھدرے میں بھورا پڑا رہ گیا ہو:
 (A) بینائی کا
 (B) موتیے کا
 (C) سفیدی کا
 (D) سرخی کا
- 14- فیکے کا کیا لے کر چلا جیسے دنیا جہاں کی دولت سمیٹے لیے جا رہا ہے:
 (A) کارڈ
 (B) خط
 (C) پیغام
 (D) پیسے
- 15- پاجامے سے کیا جھانک رہا ہو تو باری نہیں آتی:
 (A) پاؤں
 (B) گھٹنا
 (C) ہاتھ
 (D) انگلی
- 16- فیکے کا باپ برآمدے میں پڑا رہا:
 (A) دسمبر کی سردی میں
 (B) نومبر کی سردی میں
 (C) جنوری کی سردی میں
 (D) فروری کی سردی میں
- 17- میرے سونچے ہوئے فقرے ایک دوسرے سے:
 (A) گھل مل گئے
 (B) الجھ گئے
 (C) گتھم گتھا ہو گئے
 (D) بتاتے ہیں
- 18- دوسرے ہی دن مصنف کو کس شہر جانا پڑا:
 (A) اسلام آباد
 (B) ملتان
 (C) قصور
 (D) شیخوپورہ

- 19- فیکے کے باپ کا نام تھا: (A) رفیقا (B) صدیقا (C) حنیفا (D) شفیقا
- 20- پہلوان فیکے کے اندر کون سا فیک کا چھپا ہوا تھا: (A) حساس (B) معصوم (C) دکھی (D) ڈرا ہوا
- 21- فیکے کے باپ کو میوہ ہسپتال سے کہاں بھیج دیا گیا تھا؟ (A) کوٹ مومن (B) کوٹ لکھپت (C) پنڈی (D) کراچی
- 22- رات کو نیند کے باعث مصنف کی کیا چیز دور ہو گئی تھی: (A) شرافت (B) ندامت (C) حماقت (D) ظرافت
- 23- کوٹ لکھپت کے ہسپتال جانے کے لیے فیکے کی کتنی رقم خرچ ہوئی؟ (A) ایک روپیہ (B) دو روپے (C) دس روپے (D) بیس روپے
- 24- مصنف نے کپڑے تو بدل رکھے تھے اب کیا بدل رہا تھا؟ (A) فطرت (B) تیور (C) قسمت (D) سوچ
- 25- میں نے فیکے سے کہا کوئی بات نہیں فیکے ----- (A) کوئی بات نہیں (B) کوئی ہرج نہیں (C) کوئی سوچ نہیں (D) کچھ نہیں
- 26- بابو جی کے تانگے کا گھوڑا کتنی دیر گرا رہا: (A) دس منٹ (B) سات منٹ (C) آٹھ منٹ (D) دس بارہ منٹ
- 27- سبق ”سفارش“ میں فیک کا کیا کام کرتا تھا: (A) ڈرائیوری (B) کوچوانی (C) مزدوری (D) کلرکی
- 28- گلی کے موڑ پر ہر وقت تانگے موجود رہتے ہیں: (A) دو چار (B) تین چار (C) چار پانچ (D) پانچ چھ
- 29- احمد ندیم فوٹ ہوئے: (A) 2001ء (B) 2005ء (C) 2006ء (D) 2010ء

جوابات

| | | | | | | | | | |
|---|-----|---|-----|---|-----|---|-----|---|-----|
| A | -5 | B | -4 | A | -3 | A | -2 | C | -1 |
| C | -10 | A | -9 | C | -8 | A | -7 | A | -6 |
| B | -15 | A | -14 | A | -13 | A | -12 | A | -11 |
| A | -20 | B | -19 | D | -18 | C | -17 | A | -16 |
| A | -25 | B | -24 | B | -23 | B | -22 | B | -21 |
| | | C | -29 | B | -28 | B | -27 | A | -26 |